تصریحات — اکرام اللہ ساجد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# دینی مدارس کے منتظمین کی خدمت میں!

تعلیم و تربیت دونوں ہی لازم و ملزوم ہیں، لیکن افسوس کہ ہمارے دینی مدارس میں تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت پر بہت کم توجہ دی جاتی ہے[1] اور اس طرح گویا "تعلیم کو "تعلیم اور تربیت" دونوں کے ہم معنیٰ یا اس کے قائم مقام سمجھا جاتا ہے۔

"بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ" کے مصداق ہمارے ہاں دینی تعلیم حاصل کرنے کا رجحان بہت کم ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آج کے اس مادی دور میں تعلیم کو حصولِ معاش کا ایک ذریعہ سمجھ لیا گیا ہے، جبکہ دینی تعلیم کے سلسلہ میں یہ "مستقبل" "تاریک" نظر آتا ہے۔ چنانچہ دینی تعلیم میں اسی عدم دلچسپی کی بناء پر ہمارے دینی مدارس میں طلباء سے نہ صرف کوئی فیس وغیرہ وصول نہیں کی جاتی، بلکہ ان کی تدریسی کتب، خوراک، رہائش، علاج معالجہ اور دیگر چھوٹی موٹی ضروریات کی کفالت کے علاوہ مدارس کی طرف سے انہیں جیب خرچ کے طور پر ماہانہ وظائف بھی تقسیم کیے جاتے ہیں تاکہ اس تالیفِ قلب کے سبب سے زیادہ سے زیادہ لوگ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ان مدارس میں داخلہ کی طرف متوجہ ہو سکیں۔

---

[1] ہمارے سکولوں اور کالجوں کے تربیتی حالات تو بالکل ہی بدتر ہیں اور اکبر مرحوم کے اس شعر کے مصداق کہ

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

لیکن اس وقت یہ موضوعِ بحث نہیں:

یہ چیز اگرچہ ایک ضرورت کی حیثیت رکھتی ہے اور موجودہ حالات میں اس کے بغیر کوئی چارۂ کار بھی نہیں، تاوقتیکہ کوئی اسلامی حکومت دینی تعلیم کی ضرورت واہمیت کو محسوس کرے اور نتیجتاً لوگ زیادہ سے زیادہ اس کی طرف راغب ہوں، حتیٰ کہ اس کے حصول کے مصارف برداشت کرنے کے لیے بھی بخوشی آمادہ ہوں ـــــ تاہم موجودہ صورتِ حال کا افسوسناک نتیجہ یہ سامنے آیا ہے کہ ان تعلیمی اداروں میں کچھ عرصہ تعلیم پانے کے بعد طلباء ان سہولتوں کو، جو انہیں اس لیے مہیا کی جاتی ہیں کہ وُہ فکرِ مصارف سے بالکل آزاد رہ کر، اطمینان وسکون کے ساتھ اپنی تمام تر توجہ حصولِ علم پر مرکوز کردیں، بجائے اعانت وخدمت کے اسے اپنا دیرینہ حق تصوّر کرنے لگتے ہیں اور اکثروبیشتر سہولیات کی کمی کے سلسلہ میں شکوہ کناں نظر آتے یا ایسے مدارس میں داخلہ کے متمنی رہتے ہیں جہاں خوراک ورہائش کا معیار اعلیٰ درجے کا ہو، قطع نظر اس کے کہ وہاں تعلیمی معیار کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ انہیں اپنے پورے دورانِ تعلیم اس امر کا احساس تک نہیں ہو پاتا کہ کسی مدرسہ کی انتظامیہ، طلباء کے تدریسی اور خوراک ورہائش کے اخراجات کن مصائب سے دوچار ہونے کے بعد پورا کرتی ہے ـــــ اور لامحالہ یہ بات مقاصد کو نظرانداز کرنے کا سبب بنتی بلکہ "مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے؟" کا مصداق ثابت ہوتی ہے! نتیجتاً ان طلباء کے پیشِ نظر حقوق تو ہوتے ہیں لیکن کسی ذمہ داری کا تصوّر بھی ان کے لیے محال ہوتا ہے۔ ـــــ آپ سوچیے، ان مدارس کے فارغ التحصیل طلباء سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ تعلیم کے بعد عملی زندگی میں وُہ کسی معاشرتی ذمہ داری کے اہل ثابت ہوسکتے، یا اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے کسی بھی موقع پر وُہ اپنی گذشتہ تعلیمی زندگی کے تجربات کو بطورِ حوالہ یا بطورِ معاون پیش کرسکیں گے؟

تبلیغِ دین بجائے خود ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے ـــ اس راہ میں کانٹے تو پائے جاتے ہیں، پھولوں کا تصوّر بھی محال ہے۔ ـــ استقلال، پامردی، جفاکشی، عزم وحوصلہ، انتھک محنت، بے آمیز خلوص، بھرپور لگن، بے لوث خدمت اور ایثار وقربانی اس راہ کی وُہ منزلیں ہیں، جن سے آشنا ہوئے بغیر کوئی شخص تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام نہیں دے سکتا۔ لیکن اگر حال کا طالبِ علم اور مستقبل کا مبلغ دین ان کے مفہوم سے ہی آشنا نہ ہونے پائے۔ تو وُہ دین کا پرچم بلند کرکے بھولے بھٹکے قافلوں کی راہنمائی

سے کیونکر عہدہ برآ ہو سکے گا؟ ——— آپ تسلیم کریں یا نہ، مگر یہ حقیقت ہے کہ آج مسلمانوں کی پستی کی ایک وجہ تبلیغِ دین کے سلسلہ میں انہی صلاحیتوں کا فقدان ہے۔ ——— ورنہ یہ علمائے دین ہی تھے جنھوں نے ہمیشہ ملت کی راہنمائی کے فرائض سرانجام دیے ہیں۔ اور آج اگر علماء کی صفوں میں کوئی امام بخاریؒ، کوئی امام مسلمؒ، کوئی احمد بن حنبلؒ، کوئی ابو حنیفہؒ، کوئی امام مالکؒ، کوئی ابن تیمیہؒ ایسا رجلِ عظیم نظر نہیں آتا، تو اس کے ذمہ دار کتاب و سنت کے وہ علوم نہیں ہیں کہ جن کی چکاچوند نے یورپ کی آنکھوں کو بھی خیرہ کر دیا تھا۔ بلکہ اس کا ذمہ دار وہ طریقِ تعلیم ہے جس نے تعلیم کے ساتھ ساتھ اخلاق و کردار کی اصلاح اور حسنِ تربیت کو ضروری خیال نہ کیا۔ وہ والدین ہیں جنھوں نے شروع ہی سے اولاد کے ذہنوں کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے اور دین کی محبت ان کے دلوں میں ڈالنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ وہ منتظمین ہیں جنھوں نے دینی اداروں کے اخراجات پورے کرنے کے لیے حاصل کی جانے والی رقوم میں حلال و حرام کا امتیاز روا نہ رکھا۔ وہ حکومتیں ہیں جنھوں نے ان اداروں کی سرپرستی کو اپنی ذمہ داریوں سے خارج قرار دیا۔ حالانکہ وہ طالبانِ علم ہیں جنھوں نے حقوق کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مستقبل کے علمائے دین کی ذمہ داریوں کا شعور حاصل کرنے سے کامل اجتناب برتا۔ اور وہ مدرسین ہیں جنھوں نے ان کی توجہ اس طرف مبذول کرانے کی زحمت کبھی گوارا نہیں فرمائی۔ الا ما شاء اللہ!

---

اگر ناگوارِ خاطر نہ ہو تو ہم ایک ایسے شخص کے بارے میں آپ کی رائے دریافت کرنا چاہتے ہیں جس میں مندرجہ ذیل خصوصیات پائی جاتی ہوں:

- گرمی کی شدت سے آپ کمرے میں دروازہ کھول کر بیٹھے ہیں۔ یہ شخص آپ کے پاس آتا ہے اور آپ سے کوئی سوال پوچھنے کے بعد واپس جاتا ہے، لیکن دھڑام سے دروازہ بند کر جاتا ہے۔ یا شدید سردی کے باعث دروازہ بند ہے، لیکن یہ صاحب دروازہ کھلا چھوڑ کر آجاتے ہیں یا جاتے ہوئے اسے بند کرنے کی زحمت گوارا نہیں فرماتے۔ اس طرح ہر آنے جانے کے بعد آپ کو اپنا ضروری کام چھوڑ کر یا تو دروازہ بند کرنا پڑتا ہے یا کھولنا پڑتا ہے۔ اور اس دوران آپ کی زبان سے سخت سست الفاظ بھی نکل جاتے ہیں۔

٭ آپ اپنے کسی ملنے والے سے ضروری گفتگو میں مصروف ہیں لیکن یہ صاحب اچانک بلا اجازت اندر داخل ہوتے ہیں اور آپ کے الفاظ کو درمیان میں سے اچک کر آپکو "پہلے میری سنو" کا مژدہ سناتے ہیں ـــــ پھر اگر آپ ناچار ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو یہ زمین کرید رہے ہیں، پہلو بدل رہے ہیں ـــــ ڈیسک بجانا شروع کر دیتے ہیں ـــــ آپ نے اپنی دانست میں انہیں فارغ کر دیا ہے، لیکن یہ بدستور براجمان ہیں ـــــ بلاوجہ سوالات کیے جا رہے ہیں، حتیٰ کہ ایک بے اخلاقی دوسری بے اخلاقی کو جنم دیتی ہے اور آپ انہیں "تشریف لے جائیے" کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

٭ آپ نے ان صاحب کو اپنے گھر میں بطور مہمان ٹھہرایا ہے۔ آپ مہمان خانہ ان کے لیے خالی کر دیتے ہیں، یہ صاحب اپنی ضرورت کے لیے پنکھا چلاتے ہیں، بجلی روشن کرتے ہیں، ہیٹر جلاتے ہیں، لیکن ضرورت پوری ہونے کے بعد وہ سوئچ آف (off) کرنے کی زحمت بھی گوارا نہیں فرماتے ـــــ رخصت ہو جاتے ہیں اور آپ اتفاقاً مہمان خانہ میں جاتے ہیں، کیا دیکھتے ہیں کہ پنکھا حرکت میں ہے، بجلی جل رہی ہے، ہیٹر آن (on) ہے پانی کا نل کھلا ہوا ہے، فراغت کے بعد باتھ روم کا فلش استعمال نہیں کیا گیا، بستر، کتابیں غرض کمرے کی ہر چیز بے ترتیب ہے ـــــ اور آپ دل پر جبر کر کے مہمان خانہ کی چیزوں کو سلیقے سے رکھنا شروع کر دیتے ہیں۔

٭ آپ گھر سے باہر ہیں، بارش اچانک آتی ہے اور صحن میں بستر، پنکھا یا دیگر ایسی چیزیں جو بھیگنے سے خراب ہو سکتی ہیں، رکھی ہیں ـــــ تاہم آپ کو یہ اطمینان ہے کہ یہ صاحب جو مدت سے آپ کے ہاں اپنے کسی مقصد کی خاطر قیام پذیر اور گھر پر موجود ہیں، اس طرف ضرور توجہ فرمائیں گے، لیکن واپسی پر آپ یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں کہ تمام چیزیں بارش سے بھیگ چکی ہیں اور ان صاحب نے ان کو ہٹانے کی کوئی زحمت گوارا نہیں فرمائی ـــــ آپ دبے لفظوں میں احتجاج کرتے ہیں، لیکن جواب یہ ملتا ہے کہ "یہ میری ڈیوٹی نہیں ہے، ان کاموں کے لیے نوکر جو موجود ہیں!" ـــــ چنانچہ آپ کلیجہ مسوس کر رہ جاتے ہیں۔!

یہ وہ چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں جن کا تعلق نشست و برخاست، آدابِ گفتگو، رہن سہن، آدابِ میزبانی یا مہمانی وغیرہ سے ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو یہی چیزیں کسی مہذب یا غیر مہذ

شخص کے درمیان حدِ فاصل ہیں۔ اور آپ یقین کیجئے کہ ہمارے دینی مدارس کے طالب علموں سے متعلق اکثر و بیشتر ایسی شکایات سننے میں آتی رہتی ہیں — آخر کیوں؟۔ ہم یہ تسلیم کرنے کے لیے قطعاً تیار نہیں ہیں کہ "قال اللہ و قال الرسول" کی صداؤں سے، جو زندگی کے ہر ہر موڑ پر بہترین راہنما ثابت ہو سکتی ہیں، شب و روز مسلسل پانچ چھ سال تک آشنا ہونے والا، ملت کی راہنمائی کا فریضہ انجام دینا تو دُور رہا، ایک اچھا شہری بھی ثابت نہیں ہو سکتا؟ — تو پھر یہ تربیت کا فقدان نہیں تو اور کیا ہے؟ اور ان تمام باتوں کو سمجھانے اور ذہن نشین کرانے کے لیے کتنا عرصہ درکار ہے؟ — ایک گھنٹہ کے لیکچر سے یہ مقصد بخوبی حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر ان معمولی باتوں کی طرف بھی (جو درحقیقت بڑی اہم ہیں) توجہ نہیں ہے۔ — تو آج کے یہ طلباء، کل کے مدرس بن کر اپنے شاگردوں کی اس سلسلہ میں کیا راہنمائی فرمائیں گے؟ معاشرے کی قیادت آخر انہی علمائے دین کو سنبھالنی ہے، لیکن جب کنواں ہی پانی سے خالی ہو تو دوسرے اس سے کیا سیراب ہوں گے!۔ البتہ ہر طرف سے علمائے دین کو متہم کرنے کی آوازیں سنائی دیں گی اور اس کا ذمہ دار ان علوم اسلامیہ یا خود اسلام کو ٹھہرایا جائے گا جس نے پوری دُنیا کو اخلاق و آداب کے گر سکھائے تھے، اور ان موتیوں کو انتہائی فراخ دلی سے اس نے اہلِ زمین پر نچھاور کر دیا تھا!

ہمارا مقصد خدانخواستہ طالبانِ علومِ نبوت کی اہانت نہیں، بلکہ ہماری نظر میں انتہائی مبارک ہیں وہ لوگ جو اس گئے دور میں علومِ دنیوی کو چھوڑ کر کتاب و سنت کی تعلیمات کے حصول کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ — لیکن گلہ شکوہ اپنوں ہی سے ہوتا ہے۔ ہمدردی کے مستحق وہی ہوتے ہیں جن سے تعلق خاطر ہو اور جن میں خیر کا پہلو نظر آئے۔ — جبکہ خوشامد اور چاپلوسی حقائق کو مروت کے حسین پردوں میں چھپانا اور "اَلْمُسْلِمُ مِرْآةُ الْمُسْلِمِ" کو نظر انداز کرتے ہوئے کسی کو اصلاح کی طرف متوجہ نہ کرنا، اس کے اخلاق و کردار کو قتل کرنے کے مترادف ہوتا ہے۔ بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ اس طرف آتے ہیں، انہیں کندن بن کر جانا چاہیے۔ — ان نگینوں میں موتیوں کی سی آب و تاب پیدا ہونی چاہیے۔ — کتاب و سنت کے طالبانِ علم ہمارا قیمتی سرمایہ ہیں۔ اس سرمایہ کو

ضائع ہونے سے بچانا چاہیے اور اس عظیم مقصد کی خاطر تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی ذہنی تربیت کی بھی ضرورت ہے ـــــ جو علوم وہ دن رات پڑھتے ہیں، اسی آئینہ میں ان کو جھانکنے اور اسی رنگ میں ان کو رنگنے کے لیے تھوڑی سی توجہ دلانے کی ضرورت ہے ـــــ ان پر یہ واضح کیا جانا چاہیے کہ جو لوگ اپنی دولت کا وافر حصّہ ان کی خدمت کے لیے وقف کر چکے ہیں، انہیں ان سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں، حتیٰ کہ ان کی تعلیم میں وہ ملک و ملت کی فلاح کا راز مضمر جانتے ہیں۔ جو آپ کے حقوق کا خیال رکھتے ہیں، وہ آپ کو ان ذمہ داریوں کے لیے مستعد بھی دیکھنا چاہتے ہیں جو ایک مخلص مبلغ دین، سچے خادمِ اسلام اور باعمل عالم کتاب و سنت کی حیثیت سے مستقبل قریب میں آپ پر عائد ہونے والی ہیں ـــــ انہیں تاریخ کے حوالہ و مطالعہ سے یہ بات جتلانے کی ضرورت ہے کہ ملتِ اسلامیہ آپ کی شخصیت میں ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ، بوذرؓ و سلمانؓ، بلالؓ و زبیرؓ اور دیگر اکابر اسلافِ امت کے کردار و اخلاق کی کم از کم ایک ادنیٰ سی جھلک ہی دیکھنے کے لیے انتہائی بے تاب ہے اور وہ چاہتی ہے کہ آپ نہ صرف صداقت و عدالت اور شجاعت کا سبق پڑھیں بلکہ اس کے بعد دنیا کی امامت کا فریضہ بھی سرانجام دیں ـــــ دیکھنا ایسا نہ ہو کہ ان آبگینوں کو ٹھیس پہنچ جائے اور پھر کوئی بھول کر بھی آپ کی طرف متوجہ نہ ہو۔

ہماری نظر میں اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے طلباء علومِ اسلامی کو دیگر مضامین پڑھانے کے علاوہ جدید علوم و فنون سے آراستہ کرنا بھی ضروری ہے۔ تاکہ جب وہ عملی میدان میں اتریں تو معاشرے کا ایک عضوِ معطل اور اسی پر ایک بوجھ بن کر نہ رہ جائیں ـــــ نصابِ تعلیم پر بھی ایک تنقیدی نگاہ ڈالنا لازمی ہے ـــــ جسمانی صحت کے لیے ورزش اور معقول کھیلوں کا بندوبست بھی ضروری ہے ـــــ علاوہ ازیں نصابِ تعلیم میں اخلاق و کردار کی اصلاح کو ایک لازمی مضمون کی حیثیت سے شامل ہونا چاہیے، اور اس کے لیے ایسے خصوصی اساتذہ کی خدمات حاصل کرنا ضروری ہیں جو خود بھی اسلامی اخلاق و کردار کا بہترین نمونہ ہوں ـــــ یہ اساتذہ اپنے زیرِ تربیت طلباء کے کیرکٹر، عادات و خصائل کا باقاعدہ ریکارڈ ان کے دورانِ تعلیم تیار کرتے رہیں اور جب وہ تحصیلِ علم سے فراغت کا سرٹیفکیٹ حاصل کریں تو اس میں کیرکٹر سرٹیفکیٹ کی شمولیت لازماً سمجھی جائے تاکہ کسی دوسری جگہ انہیں تدریسی ذمہ داریاں یا دیگر خدمات سونپنے یا نہ سونپنے کا فیصلہ اس سرٹیفکیٹ کی روشنی میں کیا جا سکے۔

اس کے علاوہ طلباء کو موجودہ سیاسی انتشار کے اثرات بد سے بچا کر رکھنا بھی ضروری ہے، ہاں دورِ حاضرہ کی سیاسی، علمی اور فکری تحریکوں سے ان کو متعارف کرانا ازبس ضروری ہے اور اگر ان میں گمراہ کن عقائد و نظریات پائے جاتے ہوں تو علمی طور پر ان کے دفاع کے لیے ان کو تیار کرنا بھی ناگزیر ہے تاکہ دینِ خالص میں اعداء اسلام کی طرف سے کسی آمیزش اور ملاوٹ کے خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکیں اور یہ چشمۂ صافی کسی بھی طرح سے مکدر نہ ہونے پائے۔ !

الغرض ہم چاہتے ہیں کہ طالبانِ علومِ کتاب و سنت حقیقی معنوں میں "العلماء ورثۃ الانبیاء" کا مصداق بنیں ——— وہ بجا طور پر اس امانتِ نبوی کے حامل و امین، دینِ متین کے مخلص خادم و محافظ، اخلاق و آداب اور اخلاص و مروّت سے مالا مال، زہد و قناعت، تسلیم و رضا، صبر و استقامت، ایثار و قربانی اور ایمان و یقین کی صفات سے متصف، تہذیب، شائستگی، شرافت، حیا، وفاداری، محنت اور لیاقت و دیانت ایسی خوبیوں کے حامل اور اسلام کے روحانی و اخلاقی معیار کا مجسم نمونہ ثابت ہوں!

---

آخر میں ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ تنقید و تبصرہ بڑی آسان سی بات ہوتی ہے لیکن اصلاحِ احوال کے لیے مثبت تجاویز پیش کرنا انتہائی مشکل! ——— ہمیں اس سلسلہ میں اپنی کم نظری کا احساس ہے۔ تاہم یہ امید رکھتے ہیں کہ ہماری یہ صدا بصحرا ثابت نہ ہو گی اور مدارسِ اسلامیہ کے منتظمین باہم مل بیٹھ کر ان مقاصد کے حصول کے لیے کوئی تعمیری اور ٹھوس پروگرام تشکیل دینے کی ضرورت کو لازماً محسوس فرمائیں گے ——— وما علینا الا البلاغ !

اکرام اللہ ساجد

---